پروفیسر محمد اسلم صاحب لاہور

عظیم آباد (پٹنہ) میں چار روز

خدابخش لائبریری پر ایک نظر

میں ۲۳ ؍اگست ۱۹۸۱ء کو نماز مغرب کے بعد پٹنہ پہنچا اور ریلوے اسٹیشن کے عقب میں کنکر باغ روڈ پر ہوٹل جسرمین میں قیام کیا۔ اگلے روز صبح ۹ بجے کے قریب میں خدابخش اورنٹیل پبلک لائبریری پہنچا۔ یہ لائبریری ریلوے اسٹیشن سے اندازاً دو میل کے فاصلہ پر پٹنہ یونیورسٹی کے قریب بانکی پور میں واقع ہے۔ اس لائبریری کا شمار بھارت کی پانچ بڑی لائبریریوں میں ہوتا ہے۔ اس وقت اس لائبریری میں صرف مخطوطات کی تعداد پندرہ ہزار کے لگ بھگ ہے مطبوعات کا صحیح اندازہ لگانا آسان نہیں ہے۔ اس لائبریری میں ایسے علمی و ادبی رسائل کی مکمل فائلیں موجود ہیں جن کے نام سے بھی بہت سے لوگ ناواقف ہیں۔

اس لائبریری کے بانی جسٹس خدابخش مرحوم کو کتابیں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ انہوں نے اپنی عمر بھر کی کمائی کتابوں کے حصول پر صرف کردی۔ حتیٰ کہ وہ آخری عمر میں بالکل کنگال ہوگئے تھے۔ جسٹس خدابخش نے اپنی وفات سے قبل اپنی لائبریری وقف کردی اور حکومت بہار اس کی نگران بن گئی۔ آزادی کے بعد بھارتی پارلیمنٹ نے ایک خاص بل کی منظوری کے بعد اس لائبریری کو مرکزی حکومت کی تحویل میں دے دیا۔ اب اس لائبریری کو ۱۰ لاکھ روپے سالانہ گرانٹ ملتی ہے جس سے خرید کتب کے علاوہ عمارت میں توسیع بھی کی جارہی ہے۔

میں نے لائبریری میں داخل ہوتے ہی استقبالیہ پر آغا عابد رضا بیدار کے بارے میں دریافت کیا۔ موصوف اردو زبان و ادب کے نامور ادیب اور اس لائبریری کے ڈائرکٹر ہیں۔ استقبالیہ کے انچارج نے مجھے بتایا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھے کام کررہے ہیں۔ ان کا گھر اور دفتر لائبریری کے احاطے ہی میں ہے۔ میں ان کے گھر پہنچا تو مجھے دیکھتے ہی انہوں نے اندر بلالیا۔ میں نے اپنا نام بتایا تو فرمانے لگے۔

"دیکھئے اب مولانا اکبرآبادی کا نام نہ لیجئے گا۔ آپ کا نام ہی تعارف کے لئے کافی ہے۔"

آغا صاحب نے چائے سے تواضع فرمائی اور میرے ساتھ لائبریری تک آئے۔ انہوں نے میرا تعارف ڈپٹی ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن صاحب سے کرایا اور ان سے کہا کہ مجھے جس کتاب کی ضرورت ہو وہ فوراً مہیا کی جائے۔

میں نے لائبریری کے اوقات پوچھے تو آغا صاحب نے فرمایا کہ یوں تو صبح ۹ بجے سے شام چھ بجے تک لائبریری

کھلی رہتی ہے۔ لیکن جب تک وہاں بیٹھنا چاہوں لائبریری کھلی رہے گی۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن صاحب نے بہار کے شہرۂ آفاق محدث علامہ شوق نیموی (متوفی ۱۳۲۵ھ) پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ میرے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ نیمی پٹنہ سے دس گیارہ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے۔ اور علامہ مرحوم وہیں کے رہنے والے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے میرا تعارف لائبریری کے عملہ سے کرایا۔ اور مجھے دارالمطالعہ میں بٹھا دیا۔ میری درخواست پر عملہ کے ایک رکن نے مجھے معارج الکمال کا خوبصورت مخطوطہ لاکر دیا[1]

معارج الکمال۔ اسماعیل بن شاہ عالم عبدالعزیز کی تصنیف ہے اور اس کا کوئی دوسرا نسخہ میرے علم میں نہیں ہے۔ فاضل مصنف اکبری اور جہانگیری عہد کے نامور امیر نواب مرتضیٰ خان فرید بخاری کا مصاحب تھا۔ نواب موصوف کا حضرت خواجہ باقی باللہ دہلویؒ۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے ساتھ بڑا قریبی تعلق تھا۔ اور ان تینوں بزرگوں کی ان کے ساتھ خط و کتابت رہتی تھی۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جن درباری امراء کو اکبر کی بے دینی اور الحاد کا قلع قمع کرنے کے لئے تیار کیا تھا۔ نواب مرتضیٰ خان ان کے سرخیل تھے۔ معارج الکمال میں نواب موصوف کے بارے میں ایسی اہم معلومات ملتی ہیں جن کا ذکر مآثرالامراء اور ذخیرۃ الخوانین میں نہیں آیا۔ میں نے اس نادر مخطوطہ کی مدد سے نواب موصوف کی شخصیت اور کردار پر ایک مقالہ تیار کرکے ماہنامہ برہان دہلی میں چھپوایا ہے[2]

اسی لائبریری میں "سیرت فیروز شاہی" کے عنوان سے ایک مخطوطہ محفوظ ہے۔ اس کا دوسرا نسخہ کسی لائبریری میں موجود نہیں۔ سیرت فیروز شاہی میں سلطان فیروز تغلق کے علاوہ محمد بن تغلق کے بارے میں بھی بڑی اہم معلومات ملتی ہیں۔ مصنف لکھتا ہے۔ کہ سلطان محمد بن تغلق کو باز پالنے کا بڑا شوق تھا۔ اور وہ باز دیکھ کر یہ بتا دیا کرتا تھا کہ وہ پہاڑی علاقے کا رہنے والا ہے یا جنگل کا۔ نیز اس کی پیدائش اونچے گھونسلے کی ہے یا کسی نشیبی علاقے کی۔ اس تصنیف سے سلطان فیروز شاہ تغلق کی اصلاحات اور غیر شرعی ٹیکسوں کی موقوفی کے بارے میں بڑی اہم معلومات ملتی ہیں[3]

اس لائبریری میں "تاریخ حبیبی" کے عنوان سے ایک مخطوطہ محفوظ ہے[4] اس کا مصنف عبدالعزیز بن شیر ملک بن محمد واعظی۔ خواجہ عزیز اللہ محمد حسینی کا صحبت یافتہ تھا۔ تاریخ حبیبی کا سال تصنیف ۸۴۹ھ ہے اور اس میں حضرت بندہ نواز گیسو دراز اور ان کے فرزندوں اور خلفاء کے حالات درج ہیں۔ پروفیسر حسن عسکری

---

[1] مخطوطہ فارسی نمبر ۲۰۵ [2] بابت ماہ ستمبر ۱۹۶۲ء [3] سیرت فیروز شاہی مخطوطہ فارسی نمبر ۹۹ [4] مخطوطہ فارسی نمبر ۲۴۴۹

نے راقم الحروف کو بتایا کہ تاریخ حبیبی کا اصل نسخہ چھوٹی درگاہ پھلواری شریف میں تھا۔ یہ اس کی نقل ہے۔ اصل نسخہ گم ہوگیا ہے۔ اس لئے اس نقل کی قدر و قیمت بڑھ گئی ہے۔ دکن کے بہمنی سلاطین کو حضرت گیسو دراز اور ان کے جانشینوں کے ساتھ جو عقیدت تھی اس کا ذکر بار بار تاریخ حبیبی میں آتا ہے۔

میری درخواست پر آغا صاحب نے مجھے حضرت عین الدین عبدالباری شطاری المشتہر بہ شاہ رکن الدین کے ملفوظات مطالعہ کے لئے دئے۔ صاحب ملفوظات اورنگ زیب عالمگیر کے ہمعصر تھے۔ ان کے جد امجد شاہ قاضن علاء شطاری کا شمار برصغیر پاک و ہند میں شطاریہ سلسلہ کے اساطین میں ہوتا ہے۔ شاہ قاضن کے فرزند حضرت ابوالفتح سرمست کو بہار میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ہمایوں جب بہار آیا تو بڑی عقیدت کے ساتھ انہیں ملا۔ اور ان کی پالکی کو کندھا دینے کی سعادت حاصل کی۔ ملفوظات کے اس مجموعہ میں اس عہد کے ایسے تاریخی واقعات آگئے ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں ملتے۔ راقم الحروف نے ان ملفوظات کی اہمیت پر ایک مقالہ لکھا تھا جو ماہ نامہ المعارف لاہور میں چھپ چکا ہے[1]۔

میں جس وقت لائبریری میں بیٹھا کام کر رہا تھا تو ایک مُسن بزرگ جن کی عمر اسّی سال سے متجاوز تھی آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دارالمطالعہ میں داخل ہوئے۔ اور میرے بالمقابل میز پر بیٹھ گئے۔ دارالمطالعہ کے انچارج نے ایک مخطوطہ لاکر ان کے سامنے رکھ دیا۔ اور وہ بزرگ اس کے مطالعہ میں محو ہو گئے۔ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ بزرگ پروفیسر حسن عسکری ہوں گے۔ میں نے اپنے برابر بیٹھے ہوئے ایک نوجوان سے ان کے بارے میں استفسار کیا۔ تو اس نے بتایا کہ وہ واقعی پروفیسر حسن عسکری ہیں۔ میں فوراً ان کے پاس گیا اور اپنا نام بتایا اور یہ بھی بتایا کہ میں ان کے ایک شاگرد عباس بن عبدالقادر کا شاگرد ہوں۔ انہوں نے فوراً عباس صاحب کے بارے میں دریافت کیا۔ میں نے عرض کیا کہ انہیں ایک طالب علم نے گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ پروفیسر صاحب نے فوراً پوچھا کہ وہ مرتے وقت بھی قادیانی ہی تھا؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ عباس صاحب کی پھوپھی آنجہانی سارہ زوجہ مرزا بشیر الدین محمود، مرزا رفیع احمد کی ماں تھی۔

پروفیسر حسن عسکری ہر روز لائبریری میں تشریف لاتے اور بڑی شفقت سے پیش آتے۔ ان کے توسط سے ایک آسٹریلوی نوجوان فادر پال جیکسن سے ملاقات ہوئی۔ یہ نوجوان پٹنہ کے ایک مشن سکول (سینٹ زیویئر) میں پڑھاتا ہے۔ اور اردو بڑی روانی سے بولتا ہے۔ اس نے حضرت مخدوم شرف الدین بن یحییٰ منیری کے مکتوبات صدی کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے جو امریکہ میں چھپا ہے۔ ان دنوں وہ مخدوم صاحب کے ملفوظات۔ خوان پُر نعمت

---

[1] بابت اکتوبر ۱۹۸۲ء

کا انگریزی میں ترجمہ کر رہا تھا۔ میں نے بھی اس مخطوطہ کی زیارت کی۔ بلکہ ایک مطبوعہ نسخہ بھی مل گیا۔ جو مطبع احمدی پٹنہ میں ۱۳۱۲ھ میں طبع ہوا تھا۔ اسی لائبریری میں مخدوم صاحب کے ملفوظات۔ معدن المعانی کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ ان کی اہمیت پر الحق میں میرا ایک مقالہ طبع ہو چکا ہے[1]

خدابخش لائبریری میں حضرت محی الدین چشتی فخری المتخلص بہ محمدی ساکن سنگڑ من مضافات راولپنڈی کے ملفوظات احسن المجالس کا ایک نادر مخطوطہ محفوظ ہے[2] نواح راولپنڈی کے کسی ریسرچ اسکالر کو اس تصنیف کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا چاہئے۔

میں مطالعہ میں مصروف تھا کہ ایک صاحب چائے کا ایک گلاس لے کر آئے۔ میرے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ یہ چائے آغا صاحب نے بھیجی ہے۔ ساڑھے بارہ بجے آغا صاحب خود تشریف لائے۔ اور دوپہر کا کھانا اپنے ساتھ کھانے پر اصرار کیا۔ ڈیڑھ بجے میں ان کے ساتھ کھانے کے لئے گیا اور لائبریری کے ایک کمرے میں نماز ظہر ادا کی۔ اور دوبارہ مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔

چھ بجے لائبریری بند ہوئی تو میں اپنی قیام گاہ پر واپس آیا۔ نماز عصر کے بعد تھوڑی دیر آرام کیا۔ مغرب کے وقت بارش شروع ہو گئی اس لئے میں باہر نہ جا سکا۔

اگلے روز صبح نو بجے لائبریری پہنچا۔ آغا صاحب سے مل کر دارالمطالعہ میں آیا اور شیخ بہلول شطاری کی تصنیف بحر الانوار منکانی[3] یہ مختصر سا رسالہ شطاری سلوک پر ایک اہم تصنیف ہے۔ فاضل مصنف شیخ محمد غوث گوالیری کے بھائی اور ہمایوں بادشاہ کے مرشد تھے۔ ہمایوں کے ایک باغی بھائی مرزا ہندال نے انہیں دعوت کے بہانے محل میں بلا کر قتل کرا دیا۔

"تاریخ بناکتی مصنفہ ابوسلیمان داؤد المعروف بہ فخر بناکتی[4]" تاریخ ابوالفخر خانی مصنفہ حافظ البخاری[5]، ملخص بادشاہ نامہ[6] از محمد طاہر آشنا اور صبح صادق مصنفہ صادق بن محمد صالح اصفہانی[7] کی زیارت لندن میں کی تھی۔ اب دوبارہ انہیں دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اخبار الاصفیاء۔ کا مخطوطہ بھی انڈیا آفس لائبریری لندن میں دیکھا تھا۔ اب دوبارہ اس لائبریری میں اس کی زیارت کی[8]

شیخ علی حزیں (متوفی ۱۱۸۰ھ) کی جتنی تصانیف خدابخش لائبریری میں محفوظ ہیں اتنی شاید ہی کہیں ہوں میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں ان سے استفادہ کرتا۔

---

[1] بابت ماہ اکتوبر ۱۹۸۲ء [2] مخطوطہ فارسی نمبر ۱۸۳۱ [3] ایضاً نمبر ۲۹۹۲ [4] ایضاً نمبر ۲ [5] ایضاً نمبر ۱

[6] ایضاً نمبر ۱۲۳ [7] ایضاً نمبر ۲۲ [8] ایضاً نمبر ۱۸۷۔

اس روز دوبارہ آغا صاحب نے اصرار کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھلایا۔ میں نے ان سے کہا کہ بہت تواضع ہو چکی ہے اب سہ بارہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔

لائبریری کے عجائب خانہ میں چند اہم نوادرات نمائش کی غرض سے رکھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک خط بھارت کے آنجہانی صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد کا ہے۔ یہ خط اردو میں لکھا ہوا ہے۔ اس لئے یہاں اس کا پورا متن دے رہا ہوں۔

بمقام بھاگلپور۔ ۱۹رمئی ۱۹۴۲ء

مکرمی تسلیم! اتحاد کا پرچہ ملا۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے میں کر رہا ہوں۔ اس وقت لوگوں میں ہمت لانے کی ضرورت ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ایسے نظام کی جو ان کے مصیبت کے وقت کام آوے۔ اس بنیاد پر میں دورہ سے دورہ کر کے لوگوں کو آمادہ ہونے کو کہہ رہا ہوں۔ امید ہے کہ سب لوگوں کا خیال مبذول ہوگا۔ اور وقت کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش میں سب کامیاب ہوں گے۔

نیازمند:۔ راجندر پرشاد

ڈاکٹر راجندر پرشاد کا خط منشیانہ تھا اور اس خط میں عربی و فارسی کے الفاظ قابل غور ہیں۔

مولانا محمد علی جوہر نے بیجاپور جیل سے ایک غزل لکھ کر کسی دوست کو بھیجی تھی۔ یہ پوری غزل ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک شوکیس میں موجود ہے۔ اس غزل کا مطلع و مقطع یوں ہے:۔

بے خوف غیر دل کی اگر ترجماں نہ ہو بہتر ہے اس سے یہ کہ سرے سے زباں نہ ہو

جوہر اس ایک دل کے لئے اتنے مشغلے کیا ہے خدا کی چاہ تو عشق بتاں نہ ہو

ایک شوکیس میں مولانا ابوالکلام آزاد کا ۲۵ر دسمبر ۱۹۰۶ء کا تحریر کردہ ایک خط رکھا ہوا ہے۔ ان دنوں مولانا کسی اخبار کے عملہ میں شامل تھے۔ مولانا نے مالک اخبار سے ایک ماہ کی پیشگی تنخواہ کا مطالبہ کیا تھا۔ راقم کے پاس اس خط کا عکس موجود ہے۔

اگلے روز آغا صاحب نے لائبریری کے ہال میں نماز مغرب کے بعد ملفوظات لٹریچر کی اہمیت۔ کے موضوع پر میرا لیکچر رکھ دیا۔ پٹنہ یونیورسٹی اور مدرسہ شمس الہدیٰ میں اس کی اطلاع کر دی۔ آغا صاحب کی فرمائش پر فادر پال جیکسن نے اس تقریب کی صدارت کی اور صدارتی خطبہ بھی دیا۔

لیکچر کے بعد آغا صاحب نے چیدہ چیدہ مہمانوں کو اپنے گھر چائے کی دعوت دی۔ اس لیکچر کا چرچا اگلے روز علمی حلقوں میں ہوا۔ میں لائبریری میں مصروف مطالعہ تھا کہ پٹنہ یونیورسٹی کے فارسی کے پروفیسر خواجہ افضل امام تشریف لائے۔ اور اپنی ایک "تالیف" دیوان فائز" عنایت کی۔ سید حسن پٹنہ یونیورسٹی کے فارسی کے پروفیسر رہ چکے ہیں انہوں نے دیوان صائب ہروی مرتب کیا ہے۔ موصوف نے میرا لیکچر تو نہیں سنا لیکن لوگوں سے اس کا چرچا ضرور سنا

تو مبارک باد دینے آئے۔ میرے پاس دیوانِ صادق کا ایک نسخہ موجود تھا جو مجھے ڈاکٹر نذیر احمد صاحب، صدر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی نے عطا کیا تھا۔ میں نے سید حسن صاحب سے ایک کاغذ پر دستخط کرا لیے اور لاہور آکر اس دیوان پر اسے چپکا دیا۔

اگلے دن میں وقت نکال کر یونیورسٹی گیا۔ شعبہ تاریخ میں ڈاکٹر قیام الدین احمد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ان کی تصنیف "ہندوستان میں وہابی تحریک" کراچی سے طبع ہو چکی ہے۔ موصوف کا نسبی تعلق علماء صادق پور سے ہے جنہوں نے صدق دلی کے ساتھ حضرت سید احمد بریلویؒ کا ساتھ دیا۔ اسی روز شام کے وقت مدرسہ شمس الہدیٰ میں ایک نشست کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس مدرسہ میں قدیم اور جدید دونوں طرح کے علم پڑھائے جاتے ہیں۔ عصر اور مغرب کی نمازیں مدرسے کی مسجد میں ادا کیں۔ مسجد کے ایک گوشے میں جسٹس شمس الہدیٰ کی قبر ہے۔ ایک استاد نے مجھے بتایا کہ جج صاحب ایک بار کسی گاؤں میں اپنے کسی عزیز کی نماز جنازہ میں شرکت کی غرض سے گئے۔ اتفاق سے وہاں کسی کو بھی نماز جنازہ یاد نہ تھی۔ جج صاحب نے مسلمانوں کی دین سے یہ غفلت دیکھ کر مدرسہ قائم کیا: تاکہ مسلمان طلبہ جدید علوم کے ساتھ علوم اسلامیہ اور مسائل شریعت سے بھی واقفیت حاصل کر سکیں۔ مدرسہ شمس الہدیٰ کا شمار بہار کے عظیم مدارس میں ہوتا ہے۔ ہمارے فاضل دوست پروفیسر مختار الدین آرزو صاحب[لہ] کے والد بزرگوار ملک العلماء ظفر الدین بہاری صاحب "صحیح بہاری" بھی اس مدرسہ کے پرنسپل رہ چکے ہیں۔

پٹنہ میں قیام کے آخری دن میں وقت نکال کر پھلواری شریف گیا۔ یہ علمی اور روحانی بستی پٹنہ سے چار پانچ میل دور ہوگی۔ پٹنہ ریلوے اسٹیشن سے بسیں اور یکے پھلواری تک جاتے آتے رہتے ہیں۔

جس وقت میں پھلواری پہنچا تو ہر طرف کیچڑ ہو رہا تھا۔ گلیوں اور بازاروں سے گزرنا مشکل تھا۔ میں پوچھتے پوچھتے خانقاہ سلیمانیہ پہنچا۔ لیکن اب وہاں کون تھا؟ شاہ غلام حسنین فوت ہو چکے تھے۔ ان کے فرزند ریحان شاہ کراچی منتقل ہو چکے تھے۔ شاہ غلام حسنین کی بیوہ اور ایک بیٹی اب تک وہیں ہیں۔ شاہ سلیمان اور جعفر شاہ پھلواری کی جمع کردہ کتابیں دیمک کی نظر ہو رہی ہیں۔ پھلواری کے ہر پڑھے لکھے شخص کو ان کتابوں کی تلفی کا رنج تھا۔

شاہ سلیمان اور ان کے جانشین شاہ غلام حسنین بستی کے مشرقی کنارے پر سنگی مسجد کے صحن میں مدفون ہیں۔ اس مسجد کو یہ شرف حاصل ہے کہ جب سید احمد بریلویؒ پھلواری تشریف لائے تو ان کا قیام اسی مسجد میں تھا۔ مسجد کی دیواروں پر ایسے پتھر نصب ہیں جن پر آیاتِ قرآنی منقوش ہیں۔

شاہ سلیمان ۲۷ر صفر ۱۳۵۴ھ مطابق ۳۱ر مئی ۱۹۳۵ء کو فوت ہوئے۔ ان کا مزار ان کے ایک مرید ساکن جہلم نے تعمیر

لہ صدر شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

کرایا تھا۔ شاہ غلام حسنین نے ان کے سوانح حیات خاتم سلیمانی کے نام سے قلم بند کئے تھے۔ شاہ صاحب کو حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی، سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور اپنے خسر شاہ محمد علی حبیب ابو نصر سے فیض ملا تھا۔ ان کے اساتذہ میں میاں نذیر حسین محدث دہلوی۔ جناب احمد علی سہارنپوری اور مولانا عبدالحئی فرنگی محلی جیسے بزرگ قابل ذکر ہیں۔

پھلواری شریف کی شہرت خانقاہ مجیبیہ کی وجہ سے ہے۔ خانقاہ سے متعلق ایک مدرسہ بھی ہے۔ جہاں مقامی اور بیرونی طلبہ تعلیم پاتے ہیں۔ ایک پرانی طرز کی مسجد اور اس سے ملحق ایک گنبد قابل دید ہیں۔ اس گنبد میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا موئے مبارک رکھا ہوا ہے۔ جس کی خاص خاص موقعوں پر زیارت کرائی جاتی ہے۔ خانقاہ مجیبیہ کی مسجد کے دروازے پر یہ عبارت کندہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعہد صد سال گشت چوں پختہ   مسجد خانقاہ یا میں ترتیب

سال اُو گفت ہاتفی از حق   مسجد خانقاہ پیر مجیب

۱۲۳۹ھ

خانقاہ سے چند قدم کے فاصلہ پر شاہ محمد مجیب کی درگاہ ہے۔ شاہ صاحب اور ان کی اہلیہ ایک گنبد کے نیچے محو خواب ابدی ہیں۔ ان کی لوح مزار پر یہ عبارت درج ہے ؎

عشقم آنست کز نام و نشانم باقیست

گرچہ فانی شدہ ام ذکر و بیانم باقیست

شاہ محمد مجیب، اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت میں ۱۰۹۸ھ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے سید محمد وارث رسول نُما بنارسی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور روحانیت کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوئے۔ ان کا انتقال ۱۱۹۱ھ میں ۹۳ برس کی عمر میں ہوا۔ شاہ محمد نور الحق مجیبی تپاںؔ نے ان کی تاریخ وفات کہی ہے جو درگاہ شریف کے ایک پتھر پر کندہ ہے۔

نوشت از خط نور ایں دو کلمہ رضوان   بسال رحلت شیخ زمان بباب بہشت

ز بخت تیرہ شکایت مکن تپاں زنہار   کہ مہر روئے مجیب است "آفتاب بہشت"

۱۱۹۸ھ

حضرت شاہ محمد مجیب کی درگاہ سے متصل ایک دالان کے اندر کئی قبریں ہیں ان میں سے شاہ محمد جعفر پھلواری کے نانا ابو نصر محمد علی حبیب (متوفی ۱۲۹۵ھ) ان کے فرزند شاہ محمد عبدالحق اور شاہ محمد شعیب کی قبریں خاص طور

لے شاہ صاحب کے نام میں رحمن بغیر الف لام کے ہے۔

نمایاں ہیں۔ ابونصر صاحب کی قبر کے سرہانے جو کتبہ نصب ہے وہ بدرالدین قادری صاحب کا نتیجہ فکر ہے۔ اس پر یہ عبارت کندہ ہے۔

چوں بفردوس رفت مرشد ما — از تپ ہجر اوست دل بریاں
سن میلاد و جانشینی و عمر — با وصالش کنم بخلق بیاں
شدہ شمس الضحیٰ سن میلاد — وارث ثانی جانشینی داں
۱۲۲۹ — ۱۲۶۸
وصل او شد بعین ذات بہی — عدد عمر آں ولی برخواں
۱۲۹۵ — ۶۶

ابونصر محمد علی حبیب کے فرزند شاہ عبدالحق کی قبر کے سرہانے دیوار پر ایک پتھر نصب ہے جس پر یہ اشعار کندہ ہیں ؎

عبدالحق ست پور محمد علی حبیب — خاکِ درش بمردم چشمانم آرزوست
آں عبدنیک ہر نفس از روح پاک نصر — گفتے کہ سیر گلشن عرفانم آرزوست
بعد از حصول علم چو شد سالک طریق — گفت از رسول سایہ دامانم آرزوست
آمد چو زیر سایۂ دامانِ مصطفےٰ — گفتا کہ وصل خالق ایمانم آرزوست
حیرت چو وقت وصل خدا شد قریب تر — میگفت از خدا کہ یک ارمانم آرزوست
آیند چار یار و رسولم بوقت نزع — از ابتدا بدیدہ حیرانم آرزوست
حیرت عجب مکن کہ بقول جناب نصر — بہر وصال آنہمہ سامانم آرزوست

۱۳۰۲ھ

(نتیجۂ فکر مولوی کبیر احمد حیرت پھلواروی)

درگاہ پیر مجیب سے نکل کر میں امارت شرعیہ صوبہ بہار کا دفتر دیکھنے گیا وہاں قاضی مجاہدالاسلام صاحب سے ملاقات ہوئی گذشتہ سال دیوبند کے جشن صد سالہ پران سے تعارف ہوا تھا ان کے پاس نقیب کا ایک شمارہ پڑا تھا اس میں میرا بھی ایک مضمون تھا۔ قاضی صاحب نے مجھے رکنے کو کہا۔ ان کی عدالت میں خلع کا ایک مقدمہ پیش ہونے والا تھا۔ قاضی صاحب نے مقدمہ کی کارروائی دیکھنے کے لئے کہا۔ مگر میں نے عدم فرصت کا عذر پیش کیا اور پٹنہ روانہ ہوگیا۔

آغا صاحب نے مجھے رخصت کرتے ہوئے خدابخش لائبریری میں محفوظ عربی فارسی اور اردو مخطوطات کی مکمل فہرست عنائت فرمائی اور خدابخش اورنٹیل پبلک لائبریری کے جرنل کا مکمل سیٹ بھی دیا۔ میں پٹنہ میں شاد عظیم آبادی کی قبر اور خانقاہ عمادیہ دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن بارش کی وجہ سے وہاں نہ جا سکا۔ ۲۷ اگست کی شام کو میں سون بدرہ ایکسپریس میں سوار ہو کر اگلے روز صبح ۹ بجے علیگڈھ پہنچ گیا۔

(باقی)